طلبِ منصب کا شرعی تناظر میں جائزہ

Seeking Public Office: A Sharia'h Perspective

ڈاکٹر محمد عبدالعلی اچکزئی ☆

Abstract

Public offices are considered as a symbol of honor and a mean of economic sustainibility. Getting a public office is taken as a first step to attain the amenities of life. Therefor, the general public strives for these offices through competitions as their right. Sometimes, all efforts are exploited to get the public office regardless of its legality or justification. As a fact, each government requires competent and able machinery for running its business smoothly; however, the religion of Islam has introduced a sense of responsibility and accountability for holding these offices rather than its entitlement. The present paper deals with the concept of seeking public offices from perspective of Islamic teachings.

دنیا کا یہ طلسمی کارخانہ رنگا رنگ عجائبات سے معمور ہے، قسم قسم کی مخلوقات ہیں۔ہر مخلوق کی علیحدہ علیحدہ صفتیں اور خاصیتیں ہیں۔جمادات سے لے کر انسان تک اگر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ بتدریج اور آہستہ آہستہ ان میں احساس ،ادراک اور ارادہ کی ترقی ہوتی جاتی ہے۔جمادات کی ابتدائی قسم مثلاً ذرات (ایٹمز) ہر قسم کے احساس ، ادراک اور ارادہ سے خالی ہے۔جمادات کے اور اقسام میں ایک طرح کی زندگی کا ہلکا سا نشان ملتا ہے ،نباتات میں احساس کی ایک غیر ارادی کیفیت نشو ونما کی صورت میں جلوہ گر معلوم ہوتی ہے۔حیوانات میں احساس کے ساتھ ارادہ کی حرکت بھی ہے ۔ انسان میں احساس،ادراک اورارادہ پورے کمال کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ یہی احساس ، ادراک ،تعقل اور ارادہ ہماری تمام ذمہ داریوں کا اصلی سبب ہے۔اسلام میں ان ذمہ داریوں کا شرعی نام ''تکلیف'' ہے[1] یہی''تکلیف ''وہ ذمہ داری اور

* ایسوسی ایٹ پروفیسر وصدر شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ۔

فریضہ ہے جو دوسری جگہ "امانت" کے لفظ سے قرآن میں ادا ہوا ہے۔[2] امانت سے مراد وہ احکام شرعیہ اور فرائض وواجبات ہیں جن کی ادائیگی پر ثواب اوران سے اعراض و انکار پر عذاب ہو گا۔چونکہ انسان دنیامیں اللہ کانائب بھی ہے۔اس لیے اس پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرے۔اللہ تعالیٰ کانائب ہونے کی حیثیت سے ہرانسان اپنے اپنے مقام پر حاکم اور نگہبان بھی ہے ،جیساکہ ارشادنبوی ہے:

"کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ"۔[3]

"تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اپنی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا"

حدیث میں مذکور مسوئیت اورذمہ داری جس کاہرانسان کومکلف بنایا گیاہے ،کیا اس کے علاوہ کوئی اورذمہ داری یاعہدہ ومنصب انسان اپنی خواہش سے حاصل کرسکتاہے یا نہیں ،اسے ذیل میں بیان کیاجارہاہے۔

عہدہ ومذہب کی طلب کاشرعی تناظر میں جائزہ:

عام طورپر لوگ ہردوراور زمانے میں خصوصاً سرکاری ملازمتوں اورحکومت کے ذمہ ورانہ عہدوں کے متعلق یہ تصورکرتے ہیں کہ یہ حقوق ہیں ،ان کے ذریعے ایک شخص زندگی کی مسرتوں کو حاصل کرتاہے اوردولت کاایک بڑا انبارجمع کرلیتاہے اورہرطرف لوگ ان کے استقبال کے لیے تیارکھڑے ہوتے ہیں ،انسان کی یہ فطری کمزوری ہوتی ہے کہ وہ حقوق کی طرف تو لپکتا ہے لیکن فرائض اورذمہ داریوں کے بوجھ سے پہلو تہی کرتاہے ۔سرکاری ملازمتوں اورمناصب حکومت کو اپنے لیے اعزاز اورمعاشی کفالت کا ذریعہ بھی سمجھتے رہتے ہیں اس لیے انہی "حقوق "اورمناصب کے حصول کے لیے وہ زور لگاتے رہتے ہیں حالانکہ یہ عہدہ اورمنصب حق نہیں بلکہ مسوئیت ہے اوریہ مسوئیت جس پروہ فائز ہوتاہے ،کوئی پھولوں کی سیج نہیں ہے جس کی طرف لپکنے میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کی جائے ،بلکہ یہ دنیا و آخرت کی ذمہ داری کا وہ جوا ہے جسے گردن پر رکھنے سے پہلے انسان کو لرزنا چاہیے۔یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا فاروق اعظمؓ سے ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کوخلافت کے لیے نامزدکرنے کو کہاگیا ،توانہوں نے ایک جواب یہ بھی دیا کہ:

"اگر یہ خلافت اچھی ہے تو ہم نے اس (کی خیر و برکت) کو حاصل کرلیا ہے اور اگر یہ بری ہے تو عمرؓ کے خاندان کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کے ایک فرد سے اس (کی برائی) کا محاسبہ ہو اور صرف اسی سے امت محمدیہ کے کاموں میں جواب طلب کیا جائے "۔[4]

اس طرح دنیا کی محبت ،مال ودولت ،جاہ وجلال ،شہرت اورمقام کے لیے کسی ایسے منصب کی خواہش اور طلب کرنا ، جس سے اس کا دین اورایمان ضائع ہونے کا خطرہ رہتا ہو ،اس بارے میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے کہ:

"ماذئبان جائعان أُرسِلا فی غنمٍ بافسد لها من حرص الْمرئِ علی الْمال والشّرف لدینه"[5]

"اگر دو بھوکے بھڑیئے بکریوں میں چھوڑ دئے جائیں تو بھی وہ اتنا فساد برپا نہ کریں ،جتنا مال وجاہ کی حرص انسان کے دین کو خراب کرتی ہے ۔"

حرص کی انسان کو ضرورت بھی ہے مگر ایک معلوم اندازے کے مطابق اگر کسی کی حرص کی حد نہ ہو اور اس کی ہوائیں چلتی ہی رہیں تو نفس بے قابو ہو جاتا ہے اور وہ ضروری حدود سے آگے بڑھتا ہے اور پھر بھی اسی طرح فساد کرتا ہے جیسا کہ دو بھوکے بھیڑیوں کو بکریوں کے درمیان میں چھوڑ دیا جائے ،اسی طرح دنیا کی محبت اور اس کا چاہنے کا ایک مظہر عہدوں اور مناصب کی حرص ،امارت کے حصول کے لیے ایک دوسرے پر جھپٹنا اور نمایاں ہونے میں رغبت رکھنا ہے، یہ وہی بات ہے جس سے نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"انّکُم ستحرصون علی الامارةِ وستکون ندامةً یوم القیامة فنعم المُرضعة وبئست الفاطمة[6]

"تم عن قریب امارت کی حرص کروگے مگر یہ قیامت کے دن حسرت اور ندامت ثابت ہوگی ،پس بہت اچھی دودھ پلانے والی ہے اور بہت بری دودھ چھڑانے والی ہے"

مذکورہ حدیث میں استعارۃً امارت اورولایت سے حاصل ہونے والے نفع کو حالت رضاع سے تشبیہ دی اور اس سے معزول ہونے یا مر جانے کی صورت میں محروم ہونے کو دودھ چھڑانے سے تشبیہ دی۔ امارت و ولایت حاصل کرنے کے بعد آدمی پر کچھ عرصہ تک عارضی انعامات کی بارش ہوتی

ہے ،پھر جلد ہی جب وہ امارت سے محروم ہوتا ہے تو وہ زائل ہوجاتی ہیں اور یہ اس پر حسرت کرتا رہ جاتا ہے اور اس کے عواقب کو بھگتتا ہے ، چنانچہ کسی عاقل کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ وہ ایسی لذتوں کی حرص کرے جس کے بعد حسرت ہی حسرت ہو۔

مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہوا کہ عام اصول تو یہی ہے کہ کسی منصب اور عہدہ کو قبول کرنا درست نہیں لیکن احوال کے تغیر یا نیت ومقصد اور بعض خاص حالات میں اس کے احکام مختلف ہوجاتے ہیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ملک مصر کے خزانوں کے متولی ہونے کا مطالبہ کیا تھا ،قرآن کی زبانی آپ نے یہ فرمایا تھا:

"قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَائِنِ الْاَرْضِ اِنّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ"۔[7]

"یوسف علیہ السلام نے کہا کہ مجھ کو مقرر کر ملک کے خزانوں پر میں بخوبی نگہداشت کرنے والا اور جاننے والا ہوں"

آیت مذکورہ سے فقہاء ومفسرین نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی سرکاری عہدہ اور منصب کو طلب کرنا خاص صورتوں میں جائز ہے ،جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے زمین کے خزانوں کا انتظام اور ذمہ داری طلب فرمائی، یا جیسے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالی سے دعا کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّاب"۔[8]

"کہا کہ اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطافرما جو میرے سوا کسی (شخص) کے لائق نہ ہو،تو بڑا ہی دینے والا ہے"

مگر اس میں یہ تفصیل ہے کہ جب کسی خاص عہدہ کے متعلق یہ معلوم ہو کہ کوئی دوسرا آدمی اس کا اچھا انتظام نہیں کر سکے گا اور اپنے بارہ میں یہ اندازہ ہو کہ عہدہ کے کام کو اچھا انجام دے سکے گا اور کسی گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو، ایسی حالت میں عہد ہ کا خود طلب کر لینا جائز ہے اور جہاں یہ صورت نہ ہو تو احادیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت کا کوئی عہدہ خود طلب کرنے سے منع فرمایا ہے اور جس نے خود کسی عہدہ کی درخواست کی اس کو عہدہ نہیں دیا، جیساکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمن ابن سمرۃ ؓ سے فرمایا:

"لاتسألِ الأمارۃ فإنّک اِنْ أعطیتھا عن مسئلۃ وکلت الیھا وان اعطیتھا عن غیر مسئلۃ اعنت علیھا"۔[9]

"حکومت وسیادت کو طلب نہ کرو، کیونکہ اگر تمہاری خواہش وطلب پر تمہیں حکومت وسیادت دی گئی، تو تمہیں اسی کے سپرد کر دیا جائے گا، اور تمہاری خواہش وطلب کے بغیر تمہیں حکومت وسیادت پر اللہ تعالی کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی"

اسی طرح حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی عہدہ کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"**انّا وَاللّٰہ لا نوَلّی علی ھذا العمل احداً سأله ولا احدا حرص علیه**"[10]

"خدا کی قسم ہم (دین وشریعت کے) ان امور میں کسی بھی ایسے شخص کو والی اور ذمہ دار نہیں بناتے جو ہم سے ولایت وذمہ داری کا طالب ہو یا اس کی حرص رکھتا ہو"

مگر حضرت یوسف علیہ السلام کا معاملہ اس سے مختلف ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ملک پر ایک طوفان قحط آنے والا ہے، اس وقت خود غرض لوگ عام خلق اللہ پر رحم نہیں کھائیں گے اور لاکھوں انسان بھوک سے مر جائیں گے، ان کے خیال میں کوئی دوسرا آدمی ایسا موجود نہیں تھا، جو غریبوں کے حقوق میں انصاف کر سکے، اس لئے خود اس عہدہ کی درخواست کی، جیسا کہ ابن العربی لکھتے ہیں:

"**سال ذلک لیوصل الی الفقراء حظوظھم لا لحظ نفسه، وانه رای ذلک فرضا متعینا علیه، لانه لم یکن ھنالک غیره**"[11]

"اس نے اس عہدے کا اس لئے سوال کیا کہ وہ فقراء کو ان کے حقوق پہنچائے ، نہ کہ اپنے نفس کی خاطر، اور انہوں نے اسے اپنے اوپر ایک متعین فریضہ خیال کیا، کیونکہ وہاں پر اس کے سوا کوئی نہ تھا"

محمد بن ابی بکر رازی لکھتے ہیں:

"**انما طلب ذلک لیتوصل به الی امضاء احکام اللہ تعالی واقامة الحق وبسط العدل ونحوه مما یبعث له الانبیاء، ولعلمه ان احدا غیره لا یقوم مقامه فی ذلک فطلب التولیة ابتغاء لوجه اللہ تعالی وسعیا لمنافع العباد ومصالحھم لھم لا لحب الملک والدنیا**"[12]

"حضرت یوسف علیہ السلام نے خود عہدہ طلب کیا تاکہ اس کے ذریعے سے اللہ کے احکام مخلوق میں جاری کر سکیں، حق کو قائم کریں اور عدل کو دنیا میں پھیلائیں، اسی کام کے لئے انبیاء آئے ہیں، (اور ان کی بعثت یہی ہوتی ہے) آپ کو معلوم تھا کہ میرے سوا اور کوئی اس کام کو کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، پس آپ نے عہدہ حکومت کی طلب اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کی تھی اور بندوں کے منافع اور ان کے مصلحتوں کے پیش نظر آپ نے اس کے حصول کی سعی کی، ملک اور دنیا کے لئے نہیں"

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

"وھکذا الحکم الیوم، لو علم انسان من نفسه ان یقوم بالحق فی القضاء او الحسبة ولم یکن ھناک من یقوم بھا ویصلح ولا یقوم مقامه لتعین ذلک علیه، ووجب ان یتولاھا ویسال ذلک، ویخبر بصفاته التی یستحقھا به من العلم والکفایة وغیر ذلک، کما قال یوسف علیه السلام ،فاما لو کان ھناک من یقوم بھا ویصلح لھا وعلم بذلک فالاولی الایطلب" [13]

"اور آج بھی یہ حکم ہے کہ کوئی شخص یہ محسوس کرے کہ کوئی عہدہ حکومت کا ایسا ہے، جس کے فرائض کو کوئی دوسرا آدمی صحیح طور پر انجام دینے والا موجود نہیں، اور خود اس کو یہ اندازہ ہے کہ میں صحیح انجام دے سکتا ہوں، تو اس کے لئے واجب ہے کہ اس عہدہ کی خود درخواست کر کے اور اس کو سنبھالے، اور اپنے اندر موجود صفات مثلاً: علم کفایت وغیرہ جس کے ذریعے وہ اس عہدے کے اہل ہے، ان کی خبر دے دے، جس طرح یوسف علیہ السلام نے کہا تھا، ہاں اگر اس موقع پر کوئی دوسرا شخص موجود ہے ،جو اس ذمہ داری کو اچھے طریقے سے انجام دے سکتا ہے اور اس سے وہ باخبر ہے، تو بہتر یہ ہے کہ پھر طلب نہ کرے"

مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

"اس میں دلالت ہے کہ منصب وحکومت کی درخواست جبکہ اس میں مخلوق کا نفع ہو اور خود اپنا یہ ضرر نہ ہو کہ غیر اللہ میں مشغول ہو جاوے قادح فی الکمال نہیں۔(یعنی اس کے لیاقت و قابلیت کے لئے عیب نہیں)"۔[14]

مولانا مفتی محمودؒ لکھتے ہیں:

"جب بادشاہ مصر نے قحط سے پیدا ہونے والے حالات پر قابو پانے کے لئے اہل ترین شخص کو تلاش کیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے خود کو پیش فرمایا کہ بطور وزیر خزانہ اور وزیر خوراک میری ڈیوٹی لگائی جائے ،چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ حقیقت میں وہی اس کے اہل تھے اور جو صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے آپ میں ودیعت فرمائی تھیں وہ کسی اور میں نہ تھیں اور مسئلہ بھی یہی ہے کہ اگر ملک میں کسی منصب کے لئے اور کوئی اہل نہ ہو، توخود کو پیش کرنا واجب ہے ،تا کہ اس منصب اور اس سے متعلق لوگوں کی حق تلفی نہ ہو"۔[15]

مولانا صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

" حضرت یوسف علیہ السلام کا زمین کے خزانوں کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش اس لئے ظاہر کی کہ مستقبل قریب میں (خواب کی تعبیر کی روسے) جو قحط سالی کے ایام آنے والے ہیں ،اس سے نمٹنے کے لئے مناسب انتظامات کئے جاسکیں اور غلے کی معقول مقدار بچا کر رکھی جاسکے ۔عام حالات میں اگرچہ عہدہ ومنصب کی طلب جائز نہیں ہے ،لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قدام سے یہ معلوم ہوتاہے کہ خاص حالات میں اگر کوئی شخص یہ سمجھتاہے کہ قوم اور ملک کو جو خطرات درپیش ہیں اوران سے نمٹنے کی اچھی صلاحیتیں میرے اندر موجود ہیں، جو دوسروں میں نہیں ہیں ،تووہ اپنی اہلیت کے مطابق اس مخصوص عہدے اور منصب کی طلب کر سکتاہے"۔[16]

عہدہ قضا کی طلب:

قضا کا منصب خلافت کے بعد ایک عظیم منصب ہے ،اس لئے جب عام حالات میں ایک عام منصب کی طلب جائز نہیں ہے، تو عہدہ قضا کی طلب بھی جائز نہیں ہونی چاہئے ،جیسا کہ سیدنا انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ سأَلَ القضاء وُکِّلَ الیٰ نفْسِہٖ وَمَنْ جُبِرَ علیْہِ ینْزِل علیْہِ مَلَکٌ فیُسَدِّدُہٗ"[17]

"جو منصب قضاء خود طلب کرکے حاصل کرے گا (وہ منجانب اللہ مدد سے محروم رہے گا)اورعہدہ کی ذمہ داری اس شخص کی ذات پر آپڑے گی اور جسے اس کی خواہش کے بغیر یہ عہدہ دیاجائے اس پر فرشتہ اترا کرے گا جواسے سیدھا رکھے گا"

اسی طرح حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ ! کیا آپ مجھے قضاء کا عہدہ عطا نہیں فرماتے؟ تو ارشاد فرمایا:

"یااباذر انّک ضعیفٌ و انھا امانۃ و انھا یوم القیمۃ خزیٌ وندامۃٌ الاّ من اخذھا بحقھا و ادّی الّذی علیہ فیھا"[18]

"اے ابوذر! تم اس ذمہ داری کو اٹھانے کے متحمل نہیں ہو، کیوں کہ یہ ایک امانت ہے اور یہ قیامت کے دن ندامت اورشرمندگی کا باعث ہے ،ہاں البتہ کوئی شخص اہلیت کا حامل ہو،وہ اس عہدے کو قبول کرے اور پھر اس کا حق ادا کرے تو اور بات ہے "

ایک اورمقام پر منصب قضاء کے قبول کرنے والے کو اللہ کی بارگاہ میں شدید گرفت سے ڈرایا گیاہے ،جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من ولی القضآء اَوْ جُعِلَ قاضِیاً بین النّاس فقدْ ذُبِحَ بغیْرِ سکین"[19]

"جو منصب قضاء پر فائز ہوا یا فرمایا جسے لوگوں کا قاضی مقرر کیا گیا گویا کہ وہ بغیر چھری کے ذبح کردیا گیا"۔

مذکورہ بالاارشادات کے پیش نظر علماء سلف رحمۃ اللہ علیہم منصب قضاء کو قبول کرنے سے اجتناب کرتے رہے ،لیکن دوسری طرف ایسی حدیثیں بھی وارد ہیں جن میں منصب قضاء کو قبول

کرنے اوراس میں عدل وانصاف پر قائم رہنے کی ترغیب دلائی گئی ہے ،مثلاً سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے علم کے ذریعے لوگوں کے معاملات کافیصلہ کرنے کواللہ کی ایک قابل رشک نعمت بتایاگیاہے ،ارشادنبوی ہے:

"لا حَسدَ اِلاّ فی اثنتین رجلٌ اتاہ اللّٰہ مالاً فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق ورجلٌ آتاہ اللّٰہ الحکمۃ فھو یقضی بھا ویعلمھا" [20]

"رشک کے قابل صرف دوآدمی ہیں ،ایک تووہ آدمی جسے اللہ نے دولت دی اوراسے خدانے حق کے راستے میں اس مال کوخرچ کرڈالنے پر قادربنایا اوردوسرا وہ آدمی جسے اللہ نے حکمت دی، پس وہ اللہ کے دئے ہوئے علم وحکمت کے ذریعہ فیصلہ کرتاہے اوراس کی تعلیم دیتاہے"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:

"لأن اقضی یوماً احبّ الیّ من عبادۃ سبعین سنۃ" [21]

" میں اپنی زندگی کاایک دن قضاء کے مشغلہ میں گذاروں ،وہ ایک دن مجھے ستربرس کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے"۔

علماء نے ان دونوں قسم کے احادیث کے مابین تطبیق کی راہ یہ نکالی ہے کہ منصب قضاء کے قبول کرنے سے اس شخص کو ڈرایاگیاہے جوخود اس کاطالب ہو اورجب اسے وہ مطلوبہ مسند مل جائے تواس کاحق اداکرنے سے قاصررہے اورترغیب اس شخص کو دلائی گئی ہے جس کو طلب کے بغیر یہ منصب مل جائے اوراس منصب پرفائز ہونے کے بعد وہ بیم ورجاء کی کیفیت کے ساتھ صحیح راہ پرچلتا رہے۔

طلب وقبول قضاء کی تفصیل بیان کرتے ہوئے الماوردی لکھتے ہیں:

"فان کان من غیر اھل الاجتھاد فیہ کان تعرضہ لطالبہ محظورا وصار بالطلب مجروحاً، وان کان من اھلہ علی الصفۃ التی یجوز معھا نظرہ فلہ فی طلبہ ثلاثۃ احوال: احدھا ان یکون القضاء فی غیر مستحقۃ، اما لنقص علمہ، واما لظھور جورہ فیخطب القضاء دفعا لمن لا یستحقہ لیکون فیمن ھو بالقضاء احق فھذا سائغ لما تضمنہ من دفع منکر۔۔۔ والحالۃ الثانیۃ ان یکون القضاء فی مستحقہ ومن ھو اھلہ ویرید ان یعزلہ عنہ اما لعداوۃ بینھما واما لیجر بالقضاء الی نفسہ نفعا، فھذا الطلب محظور وھو بھذا الطلب مجروح، والحالۃ الثالثۃ ان لا یکون فی القضاء ناظر وھو خال من وال علیہ، فیراعی

حاله في طلبه، فان كان لحاجته الى رزق القضاء المستحق في بيت المال كان طلبه مباحا، وان كان لرغبة في اقامة الحق وخوفه ان يتعرض له غير مستحق كان طلبه مستحبا، فان قصد بطلبه المباهاة والمنزلة فقد اختلف في كراهية ذلك مع الاتفاق على جوازه" [22]

"غیر مجتہد کا قضا کے عہدے کی خواہش کرنانا جائز ہے اور اس طلب کی بنا پر وہ غیر معتبر بھی ہو گیا ہے، البتہ اگر مجتہد عہدہ قضا کی خواہش کرے تو اس کی تین صورتیں ہیں: اول : منصب قضا پر ایک جاہل اور ظالم شخص فائز ہے، اسے علیحدہ کرنے کے لئے قضا کا مطالبہ درست ہے، اس لئے کہ یہ منکر کو ختم کرنے کے لئے ہے،دوم: منصب قضا پر ایک اہل شخص موجود ہے اور صرف ذاتی مفاد یا دشمنی کی بنا پر کوئی اس کو معزول کرانے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرے، تو یہ ممنوع ہے اور اس طرح طالب کا کردار خود مجروح اور ناقابل اعتماد ہو جائے گا۔سوم: منصب قضاء خالی ہو اور کوئی شخص اس خیال سے اپنے آپ کو پیش کرے کہ بیت المال سے تنخواہ ملے اور اس کی کفالت ہو تو جائز ہے، اگر اس نیت سے طلب کرے کہ کہیں کوئی نااہل اس منصب پر نہ آجائے، تو مستحب ہے اور اگر عزت کے حصول کی خاطر طلب کرے تو جائز تو ہے، البتہ بعض فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے"۔

کسی ظالم یا کافر حکمران کا عہدہ قبول کرنا

سورۃ یوسف کی مذکورہ آیت سے فقہاء ومفسرین نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ کسی کافر یا فاسق حکمران کی حکومت کا عہدہ قبول کرنا خاص حالات میں جائز ہے چنانچہ اس آیت کو نقل کرنے کے بعد الماوردی لکھتے ہیں:

"واختلف لاجل ذلك في جواز الولاية من قبل الظالم، فذهب قوم الى جوازها اذا عمل بالحق فيما يتولاه، لان يوسف عليه السلام تولى من قبل فرعون ليكون بعدله دافعا لجوره، وذهبت طائفة اخرى الى حظرها والمنع من التعرض لها لما فيها من تولى الظالمين والمعونة لهم وتزكيتهم بالتقليد اوامرهم، واجابوا عن ولاية يوسف عليه السلام من قبل فرعون بجوابين:

احدهما ان فرعون يوسف كان صالحا وانما الطاغي فرعون موسٰى۔ والثاني انه نظر في املاكه دون اعماله" [23]

"اس آیت کی روشنی میں یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ظالم حکمران کی حکومت میں کوئی عہدہ قبول کرنا جائز ہے، بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اگر حق پر عمل ہو سکے تو جائز ہے، اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی لئے قبول فرمایا تھا تاکہ اپنے عدل سے اس وقت کے ظلم کی مکافات کریں، اور بعض فقہاء کہتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے کیونکہ اس طرح ظالم کی اعانت ہوتی ہے اور اس کے احکام کی پیروی کا مطلب یہ تسلیم کرنا ہے کہ وہ ظالم نہیں ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے جو عزیز مصر کی حکومت میں عہدہ قبول کیا تو اس کی دو وجوہات تھیں، ایک تو یہ کہ عزیز مصر، فرعون موسیٰ کی طرح ظالم نہیں تھا اور دوسری یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام حاکم نہیں تھے بلکہ افسر مالیات تھے"۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

"استدل به على جواز التولية من الكافر والظالم" [24]

"اس آیت سے فقہاء نے کافر کی طرف سے عہدہ قبول کرنے کے جواز پر استدلال کیا ہے"۔

قاضی بیضاوی لکھتے ہیں:

"وفيه دليل على جواز طلب التولية واظهار انه مستعدلها والتولى من يد الكافر اذا علم انه لا سبيل الى اقامة الحق وسياسة الخلق الا بالاستظهار به" [25]

"اس آیت میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ حکومت کا کوئی عہدہ طلب کرنا اور اس کے لئے اپنی اہلیت کار کا اظہار کرنا اور اسی طرح کافر یا ظالم بادشاہ سے کسی کام پر مامور ہونا جائز ہے، جس وقت یہ معلوم ہو کہ حق کا قیام اور افادیت عامہ اس کے بغیر ممکن نہیں، جب تک اس عہدے پر مامور نہ ہو"۔

صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں'

"وفیہ دلیل علی جواز۔۔۔ان یتولی الانسان عملا من ید سلطان جائر و کافر، اذا علم انہ لا سبیل الی اقامة الحق و سیاسة الخلق الا بتمکین ذلک الکافر او الجائر و قد کان السلف من ھذہ الامة یتولون القضاء من جھة الظلمة"۔ [26]

"اس آیت سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ بادشاہ کافر ہو یا ظالم اس کی طرف سے کسی کام پر مامور ہونا جائز ہے ،جس وقت یہ معلوم ہو کہ کافر یا ظالم کی طرف سے مذکورہ عہدہ پر مامور ہوئے بغیر حق کا قیام اور مفاد عامہ ممکن نہیں ہے، ظالموں اور فاسقوں کی طرف سے ہمارے محترم اسلاف محکمہ قضا کی خدمت اس غرض سے قبول کرتے رہے ہیں"۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

"قال بعض اھلم العلم: فی ھذہ الآیة مایبیح للرجل الفاضل ان یعمل للرجل الفاجر و السلطان الکافر، بشرط ان یعلم انہ یفوض الیہ فی فعل لا یعارضہ فیہ، فیصلح منہ ما شآء ، واما اذا کان عملہ بحسب اختیار الفاجر و شھواتہ و فجورہ فلا یجوز ذلک"۔ [27]

"بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس آیت میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ فاضل شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ ایک ظالم شخص کے لئے یا ایک کافر حکمران کے لئے کام کرے، اس شرط کے ساتھ کہ اسے معلوم ہو کہ وہ اسے ایسا کام سپرد کر رہا ہے جس میں وہ اس کی مخالفت نہیں کرتا، اور وہ اپنی منشا کے موافق کام کر سکتا ہے، ہاں اگر اس کا کام ظالم کے اختیار، اس کی شہوات اور فسق و فجور کے ماتحت ہو تو جائز نہیں ہے"۔

فقیہ ابو اللیث السمر قندی لکھتے ہیں'

"ویجوز التقلید من السلطان الجائر کما یجوز من العادل"۔ [28]

"قاضی کا عہدہ ظالم بادشاہ سے لینا جائز ہے، جیسا کہ ایک عادل بادشاہ سے لینا جائز ہے"۔

اسی طرح فتح القدیر میں ہے:

"یجوز التقلد من السلطان الجائر کما یجوز من العادل لان الصحابة تقلد وامن معاویة رضی اللہ عنہ والحق کان بید علی رضی اللہ عنہ فی نوبتہ

،والتابعین تقلدوا من الحجاج وھو کان جائرا، الا اذا کان لا یمکنہ من القضاء بحق لان المقصود لا یحصل بالتقلد بخلاف ما اذا کان یمکنہ"[29]۔

"سلطان ظالم سے قضاء قبول کرنا جائز ہے جیسے سلطان عادل سے جائز ہے، اس واسطے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے قضا قبول کر لی اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کے باری میں حق خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، اور تابعین نے حجاج بن یوسف ظالم کی طرف سے عہدہ قضا قبول کیا، مگر اس صورت میں کہ قاضی کو حق کے ساتھ فیصلہ کرنا ممکن نہ ہو۔ اس لئے کہ جو مقصود ہے وہ عہدہ قضا قبول کرنے سے حاصل نہ ہو گا، بر خلاف ایسی صورت کے کہ قاضی سے یہ بات ممکن ہو"۔

مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہوا کہ فقہاء کے نزدیک جس طرح ایک نیک سیرت، پابند شریعت اور عدل وانصاف میں معروف حکمران سے قاضی کا منصب قبول کرنا جائز ہے اسی طرح ایک ظالم، جابر اور فسق وفجور میں معروف حکمران سے بھی اس منصب کو قبول کرنا جائز ہے، مگر اس صورت میں قاضی کا منصب حاصل کرنے والا شخص اس شرط پر یہ منصب قبول کرے گا کہ اسے یہ منصب تفویض کرنے والا حکمران اسے اپنے فیصلوں میں ظلم وناانصافی پر مجبور نہیں کرے گا اور اس تقرری سے حکمران کا مقصود ظلم وناانصافی میں اس کی اعانت نہیں ہوگی۔

ضرورت کے موقع پر اپنے کسی کمال یا فضیلت کا ذکر کرنا:

حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ کہنا کہ مجھے مصر کے مالی امور پر مقرر کر دو، میں اس کام کی بخوبی نگہداشت کرنے والا ہوں اور اس کے ساتھ آمد وخرچ کے انتظام اور اس کے حساب وکتاب کے طریقے کو بھی خوب جاننے والا ہوں،اس سے استدلال کرتے ہوئے فقہاء نے لکھا ہے کہ ضرورت کے موقع پر اپنے کسی کمال یا فضیلت کا ذکر کر دینا تزکیہ نفس یعنی پاک بازی جتلانے میں داخل نہیں، جس کی قرآن کریم کے اس آیت "فَلاتزکوا انفسکم"[30] "تم اپنے آپ کو مقدس نہ سمجھو" کے تحت ممانعت آئی ہے، بشرطیکہ اس کا ذکر کرنا کبر وغرور اور فخر وتعلی کی وجہ سے نہ ہو، جیسا کہ علامہ جصاص لکھتے ہیں:

"وفی ھذا دلالة علی انه جائز للانسان ان یصف نفسه بالفضل عند من لا یعرفه وانه لیس من المحظور من تزکیة النفس"۔[31]

"اس آیت میں اس امر پر دلالت موجود ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے فضل وکمال کا ایسے شخص کے سامنے تذکرہ کرے جسے اس کا علم نہ ہو، تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے اور اس کا یہ اقدام خود ستائی کے ذیل میں نہیں آتا"۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

"ودلت الآیة علی انه یجوز للانسان ان یصف نفسه بما فیه من علم وفضل

'یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے علم وفضل کا تذکرہ کرے"۔

علامہ خازن لکھتے ہیں:

"اذا قصد بتزکیة نفس ومدحها ایصال الخیر والنفع الی الغیر فلا یکره ذلک ولا یحرم بل یجب علیه ذلک، مثاله ان یکون بعض الناس عنده علم نافع ولا یعرف به فانه یجب علیه ان یقول انا عالم"۔[32]

"اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو خیر اور نفع پہنچانے کی خاطر اپنے نفس کی پاکی اور اس صفت کا بیان کرے ،تو یہ مکروہ نہیں ہے اور نہ یہ ناجائز ہے، بلکہ یہ اس پر لازم ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ بعض لوگوں کے ساتھ علم نافع ہو، لیکن وہ معروف نہ ہو، تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے علم کا اظہار کرے"۔

خلاصۂ بحث :

اس ساری بحث کا خلاصہ درج ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے:

1. احکام کا مدار احوال پر ہے اور کسی عمل کی شرعی حیثیت متعین کرنے کے لئے اس عمل کے مقصد اور فاعل کی نیت کو پیش رکھنا ضروری ہوتا ہے لہذا احوال کے تغیر یا نیت ومقصد کی وجہ سے اس کے احکام مختلف ہو جاتے ہیں۔

2. اگر حالات ایسے پیدا ہو جائیں کہ صاحب صلاحیت لوگوں کا فقدان ہو اور ایک شخص یہ محسوس کرتا ہو کہ وہ منصب قضا یا کسی بھی عہدہ کی ذمہ داری کو پورا کر سکتا ہے اور کوئی دوسرا شخص اس کا اہل موجود نہیں یا اگر وہ نہیں کھڑا ہوا تو یہ منصب غیر اہل کے پاس چلا جائے گا تو ایسی صورت میں حقوق الناس کے تحفظ کی خاطر ضروری ہوگا کہ وہ شخص جو اس کا اہل ہے اور حالات نے اس فرض کی انجام دہی کے لئے اس کو متعین کردیا ہے ،اس کے لئے نہ صرف یہ کہ اس منصب کی طلب جائز ہوگی بلکہ واجب ہو جائے گی۔
3. اگر ایسا ہے کہ ایک شخص معاشی طور پر خود کفیل نہیں ،اس لیے وہ معاشی کفالت اور اپنے اہل وعیال کی پرورش کے خیال سے کسی بھی منصب پر تقرری کے لیے درخواست کرے ،دراں حالیکہ وہ اس منصب کا اہل بھی ہے تو ایسی صورت میں یہ طلب جائز ومباح ہوگیا اور اگر کوئی غنی ہو اور کسب معاش کے لیے اسے منصب کو حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو پھر بھی وہ کسب معاش کے لیے منصب قضاء کی طلب کرے تو یہ مکروہ ہو گا۔
4. اگر ایک صاحب علم شخص گمنام ہو ،نہ امیر اس سے واقف ہو اور نہ عوام اس کے تجربے اور علمی صلاحیتوں سے آشنا،اسی صورت میں منصب وعہدہ کی طلب تاکہ عوام الناس اس کی علمی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا سکیں ،مستحب قرار پائے گی۔
5. حصول جاہ ،بڑا بننے یا منصب سے ناجائز فائدہ اٹھانے ،کسی سے انتقام لینے کی نیت سے طلب یا اسی طرح کسی جاہل یا فاسق کا اس منصب کی طلب کرنا حرام ہے۔
6. نیک سیرت ،پابند شریعت اور عادل حکمران سے کسی منصب کا قبول کرنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے ،بلکہ وہ حکمراں اس منصب فرفائز ہونے والے شخص کی ذمہ داریوں پر اثر انداز نہیں ہو گا۔
7. حسب ضرورت بعض مواقع پر اپنے کسی کمال ،فضیلت یا ہنر کا اظہار کرنا جائز ہے۔

حواشی وحوالہ جات

[1]۔البقرہ، ۲: ۲۸۶۔

[2]۔احزاب، ۷۲:۳۳۔

[3]۔الصحیح المسلم، کتاب الامارۃ، باب الفضیلۃ الامیر العادل۔۔۔

[4]۔طبری، ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک (اردو ترجمہ)، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۲۷۳:۳۔

5۔ترمذی، محمد بن عیسیٰ، السنن، ابواب الزھد، باب نمبر ۱۲۸۳
6۔بخاری، محمد بن اسمعیل، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب مایکرہ من الحرص علی الامارۃ
7۔یوسف، ۱۲: ۵۵
8۔ص، ۳۸: ۳۵
9۔ مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، کتاب الامارۃ، باب النھی عن طلب الامارۃ والحرص علیھا۔
10۔بخاری، محمد بن اسمعیل، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام باب مایکرہ من الحرص علی الامارۃ
11۔احکام القرآن، بیروت، دارالمعرفۃ، ۱۹۷۲ء، ۳: ۱۰۹۲
12۔مسائل الرازی من غرائب آی التنزیل، طھران، ۱۴۰۴ھ، ص:۱۵۱
13۔ الجامع لاحکام القرآن، قاہرہ، دارالکاتب العربی، ۱۹۶۷ء، ۹: ۲۱۶
14۔تفسیر بیان القرآن، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ۵: ۸۴
15۔تفسیر محمود، لاہور، جمعیت پبلیکیشنز، ۲۰۰۶ء، ۲:۲۷۳
16۔تفسیری حواشی، المدینۃ المنورۃ، مجمع الملک فھد، ص۶۵۹
17۔ترمذی، محمد بن عیسیٰ، السنن، ابواب الاحکام، باب ماجاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القاضی۔
18۔مسلم، کتاب الامارۃ، باب کراھیۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ۔
19۔ترمذی، ابواب الاحکام، باب ماجآء عن رسول اللہﷺ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم فی القاضی۔
20۔بخاری، کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ۔
21۔الطرابلسی، علاؤالدین ابی الحسن علی بن خلیل، معین الحکام، مصر، مصطفی البابی، ۱۹۸۳ء، ص۸
22۔الاحکام السلطانیۃ، مکتب الاعلام الاسلامی، ۱۴۰۶ھ، ص ۷۴
23۔الماوردی، الاحکام السلطانیہ، الباب السادس فی ولایۃ القضائ، ص:۷۵
24۔الاکلیل فی استنباط التنزیل، ص:۱۳۲
25۔انوارالتنزیل واسرارالتاویل، دہلی، مطبع لکھنوی، ۱۲۸۲ھ، ۱: ۴۰۰
26۔تفسیر مظہری، دہلی، دائرۃ اشاعۃ العلوم لندوۃ المصنفین، ۵: ۱۷۴
27۔ الجامع لاحکام القرآن، ۹: ۲۱۵۔
28۔فتاوٰی النوازل، کراچی، میر محمد کتب خانہ، ۱۳۴۴ھ، کتاب اداب القاضی، ص:۲۸۸
29۔فتح القدیر، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، کتاب ادب القاضی، ۶: ۳۶۴، ۳۶۵
30۔النجم، ۵۳: ۳۲
31۔احکام القرآن، لاہور، سہیل اکیڈمی، ۱۹۹۱ء، ۳: ۱۷۴
32۔لباب التاویل فی معانی التنزیل، مصر، المکتبۃ الکبریٰ، ۱۳۸۱ھ، ۳: ۲۳۹